

## شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ اور عصر حاضر کے چیلنج

مولانا محمد عیسیٰ منصوری \*

برصغیر میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے بعد حضرت شیخ الہند محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ کی خدمات سب سے نمایاں ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد ملت اسلامیہ کو راج یابرہمن سامراج کا لقمہ تر بننے سے بچایا اور حضرت شیخ الہند نے برصغیر میں برٹش ایمپائر کے استحکام اور اسلام کے خلاف انگریز ہندو ملی بھگت کے بعد ملت اسلامیہ کی بقا و رہنمائی کا پروگرام دیا۔ برصغیر کا تاریخ میں آپ کا کردار سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، آپ نہ صرف مدرسہ دیوبند کے پہلے طالب علم تھے بلکہ بانی مدرسہ دیوبند حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ علیہ کے حقیقی، علمی، فکری و عملی جانشین بھی تھے۔

۱۸۵۷ء کی شکست کے بعد برٹش ایمپائر اور برہمن سامراج نے ملی بھگت کر کے ملت اسلامیہ کو غلام اور شورور بنانے کی منصوبہ بندی کر لی تھی، ملت اسلامیہ ہند کسی محاذ پر دشمن کا سامنا کرنے کی سکت نہیں رکھتی تھی اور حوصلہ ہار چکی تھی۔ کیونکہ ۱۸۵۷ء میں علماء و مشائخ اور دینی جذبہ رکھنے والے مسلمان ہزاروں نہیں لاکھوں کی تعداد میں قتل و پھانسی پر چڑھ گئے یا کالا پانی و سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیے گئے۔ ایسے نازک حالات میں ملت اسلامیہ کے لیے اپنا سب کچھ نچھاور کر دینے والا یہ جاں فروش طبقہ (علمائے حق) ملت کے زخموں کو مندمل ہونے اور ایک نئی نسل کی تیاری کے لیے نئی حکمت عملی پر عمل شروع کر دیا، وہ حکمت عملی یہ تھی کہ کچھ عرصہ کے لیے دشمن کے سامنے سے ہٹ کر اسے غافل کر دیا جائے اور تعلیم و تربیت اور جہاد سے لیس ایک اور نسل تیار کی جائے، اس مشن کی خاطر دیوبند میں مدرسہ اور گنگوہہ میں خانقاہ کے نام سے کام شروع ہوا، بقول حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ:

”میں نے (دشمن کو دھوکہ میں رکھنے کے لیے) اپنے مشن پر علم کی چادر ڈال دی ہے۔“

اور بقول حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ:

”حضرت الاستاذ رحمہ اللہ نے یہ مدرسہ کیا محض درس و تدریس کے لیے قائم کیا تھا؟ بلکہ شاملی کی شکست کے بعد

تلافی کے لیے یہ حکمت اقدام تھا۔“

آج بھی ہم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی پالیسی و حکمت عملی کے دور میں ہیں، برصغیر میں دین کے تمام تر شعبوں کا سلسلہ حضرت شیخ الہندؒ کی ذات پر مبنی ہوتا ہے، حضرت تھانویؒ ہوں یا علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مدنیؒ

☆ چیئر مین ورلڈ اسلامک فورم لندن

## ماہنامہ ”نقیب ختم نبوت“ ملتان

افکار

ہوں یا مولانا محمد الیاس یا مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہم اللہ۔ بیسویں صدی کے تقریباً سب ہی اکابر حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے، ان اکابر نے ملت اسلامیہ کے تحفظ و بقاء و سر بلندی کے لیے الگ الگ محاذ سنبھالا۔ حضرت مدنیؒ کا اصل محاذ یہ تھا کہ برصغیر اور عالم عرب سے انگریز کو نکالا جائے۔ حضرت تھانویؒ کا اصل کام تصوف کے متعلق، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ادھورے کام کی تکمیل تھی یعنی تصوف کو بدعات و محدثات عجمی و بیرونی اثرات سے پاک و صاف کر کے قرآن و سنت کے عین مطابق بنادیا جائے۔ حضرت مولانا الیاس کا اصل کام ملت اسلامیہ کو کلمہ نماز اور دین کی مبادیات تک سے دوری ہوگئی تھی ان کے ایمان کو تازہ اور قوی کر کے انہیں پورے دین پر مستقیم کر دیا جائے۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے ایسے دور میں عالم اسلام سے حدیث اور علوم حدیث ختم ہو رہے تھے، ملت اسلامیہ میں حدیث کے علوم کا احیا کیا وغیرہ وغیرہ، یہ سب ہی اکابر حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد تھے۔

بانی مدرسہ دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو ملت اسلامیہ ہند کی بقا و سر بلندی کے لیے خاکہ تیار کرنے کے بعد زیادہ وقت نہیں ملا، آپ چالیس سال کی عمر ہی میں جو ار رحمت میں پہنچ گئے، آپ کی مشن کی تکمیل حضرت شیخ الہندؒ نے کی۔ آج دیوبندیت کے لیے اگر کوئی ہستی کامل آئیڈیل و نمونہ ہے تو وہ حضرت شیخ الہندؒ کی ذات گرامی ہے، دیوبندیت نام ہے چار اوصاف کا:

(۱) علم کامل (۲) عمل کامل (۳) تقویٰ کامل (۴) حمیت و غیرت کامل

آج ہم علمی، عملی و فکری ہر اعتبار سے حضرت شیخ الہندؒ کے دور میں ہیں۔ آج برصغیر کے تمام شعبوں میں کام کرنے والے علما آپ کے شاگردوں کے تیار کردہ ہیں۔

یاد رہے حضرت شیخ الہندؒ کی جدوجہد صرف مسلمانان برصغیر کے لیے نہیں، بلکہ پورے عالم اسلام کے تھی، آپ خوب سمجھتے تھے کہ برصغیر سے انگریز کے قدم اکھڑتے ہی وہ عرب اور دیگر مسلم ممالک پر قبضہ برقرار نہیں رکھ سکے گا۔ چنانچہ آپ نے اپنے راز دار و شاگرد رشید حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو جس مشن پر روانہ کیا تھا وہ عالمی مشن تھا، جس میں جرمنی (یورپ) سے اسلحہ، خلافت عثمانیہ سے عسکری مدد، افغانستان سے راہ داری و فوجی قبائلی علاقوں سے جاں باز سپاہی لے کر پورے برصغیر کو انگریزوں سے آزاد کروانا تھا۔ حکومت کو اپنے خفیہ اداروں سے تھوڑی سی بھٹک ل گئی، اسی لمحہ ڈاکٹر انصاری صاحب نے خفیہ میسج بھیجا، آپ گرفتاری سے قبل فوراً حجاز نکل جائیں، حجاز میں آپ خلافت عثمانیہ کے ترکی گورنر (مدینہ) غالب پاشا اور ان کے واسطہ سے خلافت عثمانیہ کے وزیر جنگ انور جمال پاشا سے ملاقات کر کے اپنے مشن کو آگے بڑھا رہے تھے، دوسری طرف برطانوی شعبہ انٹیلی جنس نے لارنس آف عربیہ کے ذریعے عربوں کو ترکوں سے آزادی کا جھانسا دے کر حجاز میں ترکی کے مقرر کردہ حکمران شریف مکہ کو غداری پر آمادہ کر لیا۔ خلافت عثمانیہ کے ان غداروں نے حضرت شیخ الہندؒ اور آپ کے رفقاء کو قید کر کے برطانیہ کے حوالے کر دیا۔ اس طرح آپ تقریباً ساڑھے تین سال مالٹا میں قید رہے،

## ماہنامہ ”نقیب ختم نبوت“ ملتان

افکار

آپ نے قید میں جو صعوبتیں اٹھائیں، بڑھاپے میں آپ کا جسم زار و نزار ہو گیا اور متعدد موزی امراض لگ گئے۔ چنانچہ رہا ہو کر ہندوستان واپس ہوئے تو جسم کی ساری توانی نچوچکی تھی بہ مشکل ساڑھے پانچ ماہ زندہ رہے وہ بھی مسلسل صاحب فراش اور وجع المفاصل، پیش، بواسیر، تپ لرزہ جیسے متعدد موزی امراض کا شکار رہ کر، لیکن آپ اپنے مقاصد سے ذرا غافل نہیں ہوئے، آپ کی فکر و کار کردگی دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ آپ اپنی فکر، حکمت عملی اور پالیسی کے اعتبار سے اس وقت عالم گیریت (گلوبلائزیشن) کے دور میں تھے جب یورپ محض نیشنل ازم (وطنیت) کے دور میں تھا۔

آپ ۸/ جون ۱۹۲۰ء کو مالٹا سے رہا ہو کر بحری جہاز کے ذریعہ ممبئی پورٹ پہنچے، ممبئی میں دو روز نہایت مصروف گزارے، بندرگاہ سے مولانا شوکت علی اور تحریک خلافت کے ہزاروں پر جوش رضا کار شاندار جلوس کی شکل میں خلافت کمیٹی کے مرکزی دفتر واقع محمد علی روڈ لے گئے۔ ممبئی میں بھارت کی اہم سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں اور مشاہیر سے آپ نے ملاقاتیں کیں جن میں مہاتما گاندھی اور مولانا عبدالباری فرنگی مہلی جیسے رہنما شامل تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت پورے برصغیر میں حضرت شیخ الہندؒ کے مقام و مرتبہ کا کوئی رہنما نہیں تھا۔ نہ صرف طبقہ علما بلکہ کانگریس، کمیونسٹ و سوشلسٹ پارٹیوں سمیت سب ہی نے آپ کو اپنا عظیم رہنما تسلیم کیا۔ دیوبند جا کر بھی آپ تمام سیاسی لیڈروں سے رابطہ میں رہے۔ لیکن مدرسہ دیوبند کو حکومت کے غیض و غضب سے بچانے کے لیے آپ نے اپنے رابطے انتہائی خفیہ رکھے، آپ دیوبند میں مدرسہ سے دور ایک مکان میں سکونت پذیر ہوئے، جس کو کھٹی کہا جاتا تھا۔ کانگریس، کمیونسٹ و سوشلسٹ اور دیگر پارٹیوں کے رہنما حضرت شیخ الہندؒ سے ملاقات و مشورہ کے لیے عموماً گہری رات کے بعد خاموشی سے آتے اور کھٹی میں ٹھہر جاتے، آپ آدھی رات کے بعد ان سے چپکے سے ملاقات فرما لیتے، سرحد کے خدائی خدمت گار (خان عبدالغفار خان) کو حکم تھا کہ دیوبند نہ آئیں بلکہ دیوبند سے پہلے یا بعد کے اسٹیشن پر اتریں، آپ وہیں پہنچ کر ملاقات کر لیں گے۔

اسارت مالٹا کے دوران آپ ملت اسلامیہ کی سر بلندی کے لیے مسلسل غور و خوض فرماتے رہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں واپسی پر آپ نے اپنی پالیسیوں (حکمت عملی) کو یکسر تبدیل فرمادیا، آپ کی نئی حکمت عملی و پالیسی کے دو بنیادی ستون تھے، ایک عسکریت کے بجائے ڈائلاگ، آپ نے دیکھا کہ عالم کفر دن بدن طاقت ور اور عالم اسلام کمزور و بے بس ہوتا جا رہا ہے اور اپنوں (مسلمانوں) میں غداری و بے وفائی آگئی (ریشی رومال تحریک اپنوں کی غداری ہی سے ناکام ہوئی) چنانچہ ایک قابل جرنیل کی طرح آپ نے جنگ کی حکمت عملی تبدیل کی، آپ مسلسل دیکھ رہے تھے کہ تقریباً ڈیڑھ سو سال سے مسلمان جہاد کا نعرہ لگا کر برطانیہ سے ٹکرا کر پاش پاش ہوتے رہے۔ کیونکہ انگریز برادران وطن (ہندو) کو ساتھ ملا کر مسلمانوں کی جہادی تحریکوں کو کچل دیتا تھا، ہندوستان میں ہندو انگریز کا ہاتھ تھام کر ایک مضبوط اور طاقت ور قوم بن رہا تھا اور مسلمان ٹکرا کر ختم ہو رہے تھے۔ اسی لیے آپ کی نئی حکمت عملی یہ تھی کہ ڈائلاگ کے ذریعہ برادران وطن کو آزادی کی جدوجہد میں ساتھ لیا جائے، آپ جانتے تھے کہ مسلمان تو پیچھے رہ کر بھی اپنے حصہ سے زیادہ قربانیاں دیں گے مگر ہندو

## ماہنامہ ”نقیب ختم نبوت“ ملتان

افکار

قوم مسلمان لیڈر شپ میں قربانی نہیں دے گی، آنے والی قیادت کے لیے ہندو (مہاتما گاندھی) کو آگے کیا۔ کیونکہ جب تک اکثریت ساتھ نہیں دیتی انگریز کو برصغیر چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ آپ نے دوسری حکمت عملی یہ اختیار فرمائی کہ لارڈ میکالے کے نظام تعلیم نے مسلمانوں کے مقتدر طبقات اور شرفاء کو انگریز کی سوچ و فکر اور طرز زندگی کا وارث بنا دیا تھا، آپ نے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی طرف دستِ شفقت بڑھا کر انہیں اپنا ترجمان بنالیا۔ اس طرح انہیں اپنی سوچ و فکر اور امنگوں کا وارث بنالیا۔ اس لیے آپ انتہائی ضعف و بیماری کے باوجود علی گڑھ مسلم یونیورسٹی تشریف لے گئے تاکہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو اپنے درد و فکر میں شریک کر کے انہیں انگریز کے خلاف کھڑا کریں۔ آپ کے ضعف و نقاہت کا یہ عالم تھا کہ آپ دیوبند سے پاکی میں لیٹ کر روانہ ہوئے، نقاہت کی وجہ سے خطبہٴ صدارت نہیں پڑھ سکتے تھے جو مولانا شبیر احمد عثمانی نے پڑھا، جس میں آپ نے فرمایا:

”میں نے اس پیرانہ سالی اور علالت و نقاہت کی حالت میں آپ کی اس دعوت پر اس لیے لبیک کہا کہ اپنی گم شدہ متاع کو یہاں پانے کا امیدوار ہوں۔ پھر فرمایا: ”اے نو نہالانِ وطن! جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غم خوار جس میں میری ہڈیاں پگھلی جا رہی ہیں، مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور اسکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور میرے چند احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا اور اس طرح ہم نے ہندوستان کے دو تاریخی مقاموں دیوبند اور علی گڑھ کا رشتہ جوڑا۔“

اسی خطبہٴ صدارت میں آپ نے فرمایا:

”آپ میں جو حضرات محقق اور باخبر ہیں وہ جانتے ہوں گے کہ میرے بزرگوں نے کسی بھی وقت کسی اجنبی زبان سیکھنے یا دوسری قوموں کے علوم و فنون حاصل کرنے پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا۔ ہاں بے شک یہ کہا کہ انگریزی تعلیم کا آخری اثر یہی ہے جو عموماً دیکھا گیا کہ لوگ نصرانیت (مغربیت) کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں یا ملحدانہ گستاخوں سے اپنے مذہب یا مذہب والوں کا مذاق اڑاتے یا حکومتِ وقت کی پرستش کرنے لگتے ہیں، ایسی تعلیم پانے سے ایک مسلمان کے لیے جاہل رہنا اچھا ہے۔“

آپ کے بے قرار دل سے نکلی صدا نے جدید طبقہ کے دل کو مسخر کر لیا، چنانچہ آپ نے ترکِ موالات یعنی برطانوی حکومت سے ہر طرح کا تعاون ختم کرنے کی اپیل کی تو یونیورسٹی کے بہت سے طلباء نے یونیورسٹی سے رشتہ توڑ لیا۔ یہ واقعہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء کا ہے۔ اس طرح دہلی میں جامعہ اسلامیہ مسلمانوں کی دوسری بڑی یونیورسٹی حضرت شیخ الہندؒ کی بدولت وجود میں آئی۔

غرض حضرت شیخ الہندؒ نے مالٹا سے واپسی پر برصغیر کی ملتِ اسلامیہ کو دو بنیادی پالیسیاں عطا کیں۔ (۱) ڈائلاگ (۲) جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو قریب کر کے انہیں اپنا ترجمان بنانا،

## ماہنامہ ”نقیب ختم نبوت“ ملتان

افکار

اگر ہم ڈائلاگ کی راہ پر ہوتے تو آج عالم گیریت کے دور میں اقوام عالم سے ڈائلاگ کے ذریعہ قرآن کے مطابق انسانی مسائل کا حل پیش کر رہے ہوتے، اسی طرح جدید تعلیم یافتہ طبقہ عالمی حالات کو جتنا سمجھتا ہے قدیم طبقہ نہیں اور جدید طبقہ کے پاس وہ زبان و اسلوب ہے جسے اقوام عالم سمجھتی ہیں، صرف اس کے پاس قرآن و سنت کی صحیح رہنمائی نہیں ہے۔ اگر یہ دونوں چیزیں جمع ہو جائیں تو ملت اسلامیہ کی کشتی موجودہ حالات کے کھنور سے نکل سکتی ہے۔ کاش حضرت شیخ الہندؒ کو زندگی نے کچھ اور مہلت دی ہوتی تو آپ کسی حد تک قدیم و جدید کی خلیج پاٹ دیتے، سب سے زیادہ افسوس ناک امر یہ ہے کہ طبقہ علمائے حضرت شیخ الہندؒ کے بعد آپ کی حکمت عملی فراموش کر دی۔ نہ ڈائلاگ جاری رہا، نہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو قریب کر سکے، بلکہ دونوں طبقات میں دن بہ دن فاصلہ بڑھتا گیا۔

حضرت شیخ الہندؒ کے بعد آپ کے شاگردوں (جو بلا واسطہ یا بالواسطہ تقریباً تمام ہی علماء دیوبند ہیں) آپ کی جدید پالیسی کے دونوں نکات پر توجہ نہیں دی۔ اگر طبقہ علمائے ۱۹۲۰ء کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کی پالیسی کے دونوں نکات پر کار بند ہو کر جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو اپنا لیتے تو برصغیر کی تاریخ مختلف ہوتی۔

بندہ گزشتہ دنوں حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے ملفوظات پڑھ رہا تھا، حضرت بار بار نہایت رنج و غم سے فرماتے:

”مولوی ہار گیا۔“

اور یہ مولوی اس وقت تک ہارتا رہے گا جب تک حضرت شیخ الہندؒ کی پالیسی پر نہیں آتا اور عصری تقاضوں سے آگاہ نہیں ہوتا۔

(مطبوعہ: ماہنامہ ”دارالعلوم“ دیوبند، جنوری ۲۰۱۳ء)



## الغازی مشینری سٹور

ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپر پارٹس  
تھوگ پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں

بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 064-2462501